از قلم شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

بعثتِ نبویؐ کے وقت ہندو معاشرہ کی ایک جھلک

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وہ بابرکت زمین ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوا تھا گویا اس لحاظ سے ہندوستان کی زمین وہ اشرف قطعہ ہے جس کو سب سے پہلے نبیؑ کے مبارک قدموں نے روندا جس پر ہزارہا سال گزر چکے تا آنکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا دور نزدیک ہوا۔ اُس وقت سرزمین ہند میں بدکرداری، اخلاقی پستی اور دناءت کا یہ عالم تھا کہ مندروں کے محافظ اور مصلحینِ قوم بداخلاقی کا سرچشمہ تھے جو ہزاروں اور لاکھوں ناآزمودہ کار لوگوں کو مذہب کے نام اور شعبدہ بازی کے کرشموں سے خوب لوٹتے اور مزے سے عیش اڑاتے تھے۔ (آر، سی۔ دت ج ۲ ص ۲۸۳) راجوں اور مہاراجوں کے محلات میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی اور رانیاں حالتِ خمار میں جارِ عصمت و ناموس کو آثار ڈالتی تھیں۔ (ایضاً ص ۳۴۳) سڑکوں اور شاہراہوں پر آوارہ گرد اور جرائم پیشہ افراد کا ہر وقت مجمع لگا رہتا تھا۔ (ایضاً ص ۳۶۹) اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی شریف انسان اور خصوصیت سے باحیا عورتوں کا وہاں سے گزرنا وبالِ جان سے کم نہ تھا اور ہر وقت جان و عزت کا خطرہ درپیش رہتا تھا۔ دیوداسیوں اور عورتوں کی بداخلاقی اور جنسی جنون کی دل سوز حرکات اور حالات پڑھنے اور سننے سے بھی شرم محسوس ہوتی ہے اور کوئی شریف اور باحیا انسان ان کو پڑھنے پر اپنے نفس کو آمادہ نہیں پاتا الا یہ کہ دل پر جبر کر کے پڑھے تو اور بات ہے۔ (ملاحظہ ہو سفرنامہ ابوزیدؒ ص ۱۳۰ اور احسن تقاسیم مقدسیؒ ص ۴۸۳)

جوا اس حد تک رائج تھا کہ سونے اور چاندی کے سکے اور زیورات کا تو کیا کہنا عورتیں بھی جوئے میں ہاری جاتی تھیں اور ازدواجی تعلقات میں ایسی بے راہ روی اختیار کر لی گئی تھی کہ ایک ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے اور ان کی روحانیت کا یہ حال تھا کہ بعض فرقوں میں عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے ان کی شرمگاہوں کی پوجا کرتے تھے۔ (ستیارتھ پرکاش سمولاس گیارہ ص ۳۶۷ طبع لاہور) شاید وہ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ شرمگاہ ہی دنیا کی جڑ اور منبع نسلِ انسانی ہے لہٰذا اس بابرکت اور کثیر المنفعت چیز کی پوجا کیوں نہ ہو؟ اور ایسے مردوں اور عورتوں کے ان کے نزدیک خاص القاب ہوتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"اور جب کسی عورت یا دیشیا کو یا کسی مرد کو ننگا کر کے اور ان کے ہاتھ میں تلوار دے کر ان کی جائے نہانی کی پرستش کرتے ہیں تو عورت کا نام دیوی اور مرد کا نام مہادیو رکھتے ہیں۔" (ستیارتھ پرکاش ص ۳۶۸)

شوہر کے مرنے پر بعض عورتوں کو خود ان کے باپ اور بھائی اعزہ و اقارب زندہ نذرِ آتش کر دیتے تھے اور اس شنیع کارروائی کو اپنی اصطلاح میں وہ "ستی" کہتے تھے اور اس کی حکمت اور فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ یہ

عورت اپنے خاوند کے فراق کو گوارہ نہیں کر سکتی اور اس کی محبت والفت میں اپنی جانِ عزیز کو اس پر قربان کر دینے کے لیے بطیبِ خاطر رضامند ہے۔ ممکن ہے بعض شوریدہ سر عورتیں اس قومی اور آبائی رسم کی وجہ سے اس کو قربانی ہی تصور کرتی ہوں مگر حق الامر موت کو کون پسند کرتا ہے۔ ان کی اس ظالمانہ رسم کا بعض مسلمان اور ظرافت پسند صوفی شاعروں نے بھی تذکرہ کیا ہے چنانچہ حضرت امیر خسروؒ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

خسروؔ اور عشق بازی کم ز ہندو زن مباش
کاں برائے مُردہ سوزد زندہ جانِ خویشتن

اور جناب بیدلؔ پشاوریؒ یوں کہتے ہیں کہ ؎

باتو میگویم مباش اے سادہ دل ہندو پسر
در طریقِ جاں سپاری کم ز ہندو دخترے

اور برہمنوں نے اپنی قلبی تسکین اور سہولت کے لیے یہ چند نفس پسند قوانین وضع کئے اور تراشے تھے:۔

(ا) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو، سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔

(ب) کسی اونچی ذات کا مرد اگر کسی نیچی ذات کی عورت سے زنا کرے تو کوئی حرج نہیں۔

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا میں معمولی جرمانہ کافی ہے۔

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھوئے اور ہاتھ لگائے تو اس کی سزا موت ہے۔

(ہ) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں اور اگر اس کو گالی دے تو اس کی زبان قطع کر دینی چاہیے اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیے۔ (آر سی دت کی قدیم ہندوستان ص ۳۲۲)

یہ اصول وضوابط اور قوانین تھے اہلِ ہند کے جس میں اچھوت اقوام کے لیے خیر خواہی کا ادنیٰ جذبہ اور ان کی ہمدردی کا ایک حرف بھی موجود نہ تھا۔ جو زبانِ حال شاید برہمنوں کے ان خود ساختہ ملکی اور قومی قوانین پر افسوس کرتے ہوئے یہ کہتے ہوں گے ؎

تم جو دیتے ہو نوشتہ وہ نوشتہ کیا ہے
جس میں ایک حرف وفا بھی کہیں مذکور نہیں

بقیہ: شاہ ولی اللہ یونیورسٹی

دور کی ایک اہم ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جدید علوم اور زبانوں سے علماء کا واقف ہونا ازحد ضروری ہے کیونکہ موجودہ دور میں دنیا بھر میں تمام طبقات تک اسلام کا پیغام پہنچانا اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اپنے دورہ برطانیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے چند سال قبل برطانیہ کے مختلف شہروں میں جانے کا موقع ملا اور متعدد برطانوی باشندوں سے بات چیت ہوئی۔ ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے برطانیہ کے معاشرہ کو کیسا پایا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہاں جسم کے لیے تو ہر قسم کی سہولت مہیا کی گئی ہے لیکن روح کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس بات سے اس نے اتفاق کیا۔ یہ گفتگو ترجمان کے ذریعے ہوئی کیونکہ میں انگریزی زبان سے واقف نہیں۔ اس موقع پر مجھے محسوس ہوا کہ اگر مجھے انگریزی زبان سے واقفیت ہوتی تو میں اسلام کی زیادہ بہتر انداز میں ترجمانی کر سکتا تھا۔ یہ ہمارے اندر کمی ہے جس کا ہمیں احساس کرنا چاہیے اور شاہ ولی اللہ یونیورسٹی کے قیام کا ایک مقصد اس کمی کو دور کرنا بھی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے اصحاب ثروت پر زور دیا کہ وہ اس اہم مشن کی طرف خصوصی توجہ دیں اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے انتظامیہ سے بھرپور تعاون کریں۔